

تزکیہ و تربیت

تربیت و تزکیہ

اہمیت و شرائط

عبدالرشید صدیقی

ہر کام کرنے کا ایک طریقہ اور ایک ذہنک ہوتا ہے۔ جب تک اس کا علم اور تجربہ نہ ہو، کام صحیح طریقے سے انجام نہیں دیا جاسکتا۔ فارسی کا مشہور شعر ہے:-

ہرچہ دانا کند کند تداں یک بعد از عرابی بسیار

چنانچہ اسی ”خرابی بسیار“ سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کام صحیح طور پر کرنے کے اصول اور ضوابط کے بارے میں آگاہی حاصل ہو۔

کسی بھی تنظیم کی کامیابی کے لیے افرادی قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی اس میں ایسے باصلاحیت لوگ موجود ہوں اور مسلسل موجود رہیں جو تنظیم کے کام کو آگے بڑھا سکیں۔ تربیت کی اس اہمیت کے پیش نظر دینی لٹریچر میں بجا طور پر اسے اولیت دی گئی ہے۔ ہمارے دین کا تعلق زندگی کے تمام شعبوں سے ہے اس لیے ہماری تربیت بھی ہمہ جہتی ہونی چاہیے۔

تزکیہ نفس

تربیت کا اہم بلکہ لازمی اور بنیادی پہلو انسان کا تزکیہ نفس ہے۔ لفظ تزکیہ کے دو مفہوم ہیں: ایک پاک و صاف کرنا اور دوسرے ”نشوونما دینا“۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ جو چیز برائی اور فساد سے پاک ہوگی وہ لانا اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق پروان چڑھے گی۔ انبیاء علیہم السلام انسانی نفس کا جو تزکیہ کرتے تھے اس میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی تھیں۔ وہ لوگوں کے دلوں اور ان کے اعمال و اخلاق کو غلط چیزوں سے پاک و صاف کرتے اور ان کے اخلاق کو نشوونما بھی دیتے تھے۔ فی الحقیقت انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ایک اہم مقصد تزکیہ نفس تھا۔ چنانچہ سورۃ الجمعۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد کا ذکر یوں فرمایا:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (۲:۱۲۹)

وہ جس نے امیوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سنانا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

انسان کی اصل کامیابی اور فلاح اسی میں ہے کہ وہ اپنی خواہشات نفس کے غلط رجحانات پر کنٹرول رکھے اور نیکی کی راہ اختیار کرے۔ سورۃ الشمس میں فرمایا:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۖ فَالْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۖ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ۖ (۱۰-۷۹)

اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دیا دیا۔

اور سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (۸۷:۱۳) ”فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی۔“

اس لیے معلوم ہوا انسان کی نجات اور اس کی فلاح کا دار و مدار بھی تزکیہ نفس پر ہے۔ ہر روز پانچ وقت موذن حی علی الفلاح کی صدا بلند کر کے نماز کی طرف بلاتا ہے۔ اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ نماز ہمارے نفوس کے تزکیہ کے لیے ہے اور اس نماز کی ادائیگی سے ہمارا تزکیہ ہو گا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں فلاح نصیب فرمائیں گے۔

حصول تزکیہ کے لیے بنیادی اوصاف

تزکیہ کی اہمیت اور ضرورت کے تعین کے بعد ان بنیادی صفات اور عوامل سے آگاہ ہونا چاہیے جن کے بغیر تزکیہ نفس کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔

- ۱۔ نیت اور ارادہ: مشہور حدیث ہے کہ تمام اعمال کا دار و مدار صرف نیت پر ہے (بخاری، مسلم)۔ اس لیے نیت کی پاکیزگی کا اہتمام انتہائی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تزکیہ نفس کی کوشش میں اولین اہمیت نیت کو حاصل ہے۔ جب تک انسان نیک نیتی سے اصلاح نفس کے لیے آمادہ نہیں ہوتا، تو اسے توفیق الہی کی سعادت حاصل نہیں ہوتی۔ یہ توفیق اسے اس لیے میسر آتی ہے کہ وہ اپنی اصلاح اور تبدیلی کا سچا اور پکا ارادہ کر لیتا ہے۔ نیت کی درستی کے بعد ارادہ کرنا، منزل کی طرف پہلا قدم ہے۔

ارادے کی اس اہمیت کو مولانا امین احسن اصلاحی اپنی کتاب 'تزکیہ نفس میں اس طرح بیان کرتے

ہیں:

آدمی کا ارادہ اگر مضبوط نہ ہو اور وہ اس ارادے سے کام نہ لے تو دنیا کی بہتر سے بہتر رہنمائی بھی اس کے لیے بالکل بے سود ہے۔ قرآن سے بہتر کتاب دنیا میں لور کیا ہو سکتی ہے لیکن اس کا نفع بھی اخصی لوگوں کو پہنچتا ہے جو اس کی ہدایات پر عمل کرنے کے لیے عزم بالجزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو اس سے کوئی نفع بھی نہیں پہنچتا جو اس کی فصاحت و بلاغت کی تعریف میں تو بہت رطب الملسان رہتے ہیں لیکن اس کی ہدایات پر عمل کرنے کا ارادہ ان کے اندر نہیں پایا جاتا۔ تصوف کی اصطلاح میں جس کو مرید کہا جاتا ہے، میرے نزدیک اس سے مراد وہ حقیقت وہی شخص ہے جو اپنے نفس کی اصلاح و تربیت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے اور اس راہ میں ہر صعوبت خوش دلی کے ساتھ جھیلنے، ہر قربانی پیش کرنے اور جان و مال کی ہریازی کھیل جانے کے لیے ہمہ تن مستعد ہے۔ جس مرید میں اس طرح کا ارادہ نہ پایا جاتا ہو وہ فی الحقیقت مرید ہی نہیں ہے (صفحہ ۳)۔

صحابہ کرامؓ کس طرح اپنے تزکیہ کے حلاشی تھے، وہ سورۃ عبس میں حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کے واقعے سے ظاہر ہوتا ہے۔ فرمایا: وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَرْكُبُ ۝ (۳۸:۸۰) ”تمہیں کیا خبر، شاید وہ اپنا تزکیہ کرتا“۔ وہ غریب ہونے کے باوجود اپنے تزکیہ نفس کے لیے رسول اللہؐ کی صحبت میں حاضری دیتے تھے۔ یہاں اس حقیقت کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ انسان بہت سی چیزوں کی خواہش کرتا ہے لیکن خواہش کا نام ارادہ نہیں ہے۔ محض خوش آئند تمنائوں سے کبھی بھی منزل تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ انگریزی کا ایک مقولہ ہے:

If wishes were horses beggars would ride.
”اگر خواہشات حیرت گھوڑے ہوتیں تو فقرا سواریاں کرتے۔“

انسان کی بنیادی کمزوریوں میں ایک کمزوری عزم کی کمی ہے۔ اس طرف اللہ تعالیٰ نے یوں اشارہ کیا

ہے:

وَلَقَدْ عٰهَدْنٰ اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَفِیْسٍ وَّلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝ (غلہ ۱۵:۳۰)

ہم نے اس سے پہلے آدمؑ کو ایک حکم دیا تھا، مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا۔ چنانچہ عزم اور ارادے کی یہ کمزوری انسان کی سرشت میں ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ انسان ہر وقت چوکنا رہے اور ثابت قدمی سے اس راہ پر گامزن رہے۔

۲- صفات مطلوبہ کا اندراک و فہم

علم کی اہمیت اور فضیلت قرآن و حدیث میں نہایت بین اور واضح طور پر بیان کی گئی ہے۔ قرآن مجید کے نزول کی ابتدائی آیات میں علم کا تذکرہ ہے اور سب سے پہلا لفظ 'اقرأ' جس کے معنی پڑھنے کے ہیں، نازل ہوا۔ سب سے پہلی نعمت جو حضرت آدم علیہ السلام کو عطا ہوئی وہ علم ہی تھا اور اس وجہ سے انسان کو کائنات کی تمام مخلوقات پر فوقیت دی گئی ہے۔ حدیث میں حصول علم کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں 'سبب الوحی اور کتاب الایمان کے بعد تیسرا عنوان کتاب العلم باندھا ہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کا آغاز کتاب العلم سے کیا ہے۔ اس کے تحت سات ابواب ہیں۔ بغیر علم کے نہ انسان ان مطلوبہ صفات کو حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنی برائیوں اور کمزوریوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

علم اور دین کا فہم پیدا کرنے کے لیے محض لٹریچر پڑھ لینا کافی نہیں۔ علم اس وقت تک نافع نہیں ہوتا جب تک اس پر عمل نہ کیا جائے۔ صحابہ کرامؓ کا دستور یہ تھا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں بھی پڑھ لیتے تھے تو جب تک ان آیات کے تمام علم و عمل کو اپنے اندر جذب نہ کر لیتے، آگے قدم نہ بڑھاتے۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے قرآن کے علم و عمل دونوں کو ایک ساتھ حاصل کیا ہے۔ حسن بھریؒ فرماتے ہیں: علم کا ایک باب سیکھنا اور اس پر عمل کرنا دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے حدیث کی اصطلاح میں علم نافع کہا گیا ہے یعنی جو خود بھی نفع بخش ہو اور اس کا سب سے پہلا ثمر خود انسان کے عمل کی صورت میں رونما ہو۔

علم نفسیات کے ماہرین کی تحقیق ہے کہ:

ہم یاد رکھتے ہیں: ۱۰ فی صد جو پڑھتے ہیں، ۲۰ فی صد جو دیکھتے ہیں، ۵۰ فی صد جو دیکھتے اور سنتے ہیں، ۸۰ فی صد جو کہتے ہیں، ۹۰ فی صد جو ہم کہتے ہیں اور کرتے بھی ہیں۔

اس لیے علمی استعداد بڑھانے کے لیے عملی مشق بھی ضروری ہے۔ انگریزی کی مشہور کہوت ہے:

مجھ سے کہو، میں بھول جاؤں گا۔ Tell me, I forget.

مجھے دکھاؤ، میں یاد رکھوں گا۔ Show me, I remember.

مجھے کام میں شامل کرو تاکہ میں سمجھوں۔ Involve me, I understand

۳- عملی جدوجہد: سعی مسلسل

معصم اراۓ اور مطلوبہ علم کے بعد اس راہ میں پوری تہدی سے کوشش بھی ضروری ہے۔ دعا بے حد ضروری ہے لیکن جدوجہد اور کوشش کیے بغیر، محض دعاؤں کے بل پر معجزات رونما نہیں ہوتے۔ بغیر کوشش اور جدوجہد کے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ 'وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى' (النجم ۵۳: ۳۹)

”اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے۔“ کوشش بھی محض خانہ پری کے لیے یا جیسے سیسے کالم کر لینے کا نام نہیں بلکہ اس طرح کہ اس کوشش کا حق ادا ہو جائے اور اس میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادے اور کوشش کے سلسلے میں یہ بات بڑی وضاحت سے سورۃ بنی اسرائیل میں یوں فرمائی ہے:

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝ (۱۹:۷۷)

اور جو آخرت کا خواہش مند ہو اور اس کے لیے سعی کرے جیسی کہ اس کے لیے سعی کرنی چاہیے، اور ہو وہ مومن، تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہوگی۔

اس طرح جملہ کے لیے بھی اس کی یہ شان بیان فرمادی کہ اس کا حق ادا ہو۔ (وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ)

۴۔ نصب العین کا شعور

ہمارا اصل نصب العین رضائے الہی اور آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ منزل ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے۔ اس راہ میں بے حد مشکلات اور موانع ہوتے ہیں۔ کئی چیزیں منزل تک پہنچنے میں حائل ہوتی ہیں۔ ہمارا طرز عمل اس ندی کی طرح ہونا چاہیے جس کی منزل سمندر تک پہنچنا ہوتی ہے۔ بڑی سے بڑی چٹان بھی اس کا راستہ روک نہیں سکتی۔ وہ ہر چٹان سے ٹکرا ٹکرا کر اپنی قوت اور وقت ضائع نہیں کرتی بلکہ اپنے لیے ایک نیا راستہ تلاش کر کے منزل کی طرف پیش قدمی جاری رکھتی ہے۔ نصب العین کا شعور اور اس کے حصول کا شوق وہ ممیز ہے جو ہمیشہ انسان کو پیدا رکھتا ہے۔

۵۔ اعلیٰ معیار

ہر کام کو احسن طریقے سے کرنے کا سلیقہ ہونا چاہیے۔ جو کام بھی ہو وہ اس طرح کیا جائے کہ اس کا حق لوٹا ہو جائے۔ ہر کام کو نہایت جاں فشانی اور دل سوزی سے کیا جائے۔ اس بات کو حدیث رسول میں یوں بیان کیا گیا ہے: ”بلاشبہ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اپنے کام تمام و مکمل سے کرتے ہیں۔“ (بیہقی) اسلامی اصطلاح میں اس کو درجہ احسان کہتے ہیں۔

حدیث جبریل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی تعریف یہ بیان فرمائی:

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ (مسلم)

اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو سمجھو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

چنانچہ زندگی کے تمام ہی معاملات میں چاہے وہ عبادات ہوں یا معاملات، درجہ احسان کے حصول کا

اہتمام کرنا چاہیے۔ ہر مسجد میں امام، جمعہ کے خطبے میں سورۃ النحل کی یہ آیت یاد دہانی کے لیے تلاوت کرتے ہیں:

”إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (۹۳:۱)“ ”اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔“
اللہ تعالیٰ ان اعمال کو شرف قبولیت بخشے ہیں جو خلوص دل سے احسن طریقے سے کیے جائیں۔

۶۔ معمول زندگی

کوشش کرنی چاہیے کہ تزکیہ ہماری زندگی کا مرکز و محور بن جائے نہ کہ محض ضمیمہ۔ تربیتی پروگرام ہماری تربیت میں مدد و معاون تو ہو سکتے ہیں لیکن یہ اس بات کا بدل نہیں ہے کہ ہم اپنی زندگی کے شب و روز اپنی تربیت کے لیے کوشاں رہیں۔ عارضی طور پر تربیتی پروگرام میں شرکت سے ہماری حس تربیت بڑھ جاتی ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے اس تزکیے کو ہم اپنی زندگی میں پوری طرح سمو لیں اور اس کا جزو لاینفک بنالیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو عبادات فرض کی ہیں ان کی اصل غایت یہی ہے کہ ان کے ذریعے ہم اپنے نفوس کا تزکیہ کر سکیں۔

۷۔ استعانت اور تعلق باللہ

تزکیہ نفس کا اصل مقصود یہی ہے کہ انسان کا رشتہ اس کے رب کے ساتھ مستوار اور مضبوط ہو۔ تعلق باللہ کی فصاحت تمام صحائے امت اپنے رفقا کو کرتے رہے ہیں۔ یہ تعلق جتنا گہرا ہو گا عمل میں خلوص اور ارادے میں استقامت برقرار رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی وہ محرک ہے جو انسان کو مشکل سے مشکل حالات میں راہ حق سے کبھی بھی ہٹنے نہیں دیتی۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق اور آخرت میں جواب دہی کا احساس انسان کو تیم و رجا کے بین بین جلوۂ منزل کی طرف کشش کشش لیے جاتا ہے۔

اللہ سے ہمارا تعلق کتنا ہے اور یہ بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے، اس پر مولانا مودودیؒ نے نہایت وضاحت سے روشنی ڈالی ہے:

اسے معلوم کرنے کے لیے آپ کو خواب کی بشارتوں اور کشف و کرامات کے ظہور اور اندھیری کو ٹھنڈی میں انوار کے مشاہدے کا انتظار کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس تعلق کو ٹاپنے کا پیمانہ تو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے قلب میں رکھ دیا ہے۔ آپ بیداری کی حالت میں اور دن کی روشنی میں ہر وقت اس کو ٹاپ کر دیکھ سکتے ہیں۔ اپنی زندگی کا اپنی مسامی کا اور اپنے جذبات کا جائزہ لیجئے۔ اپنا حساب آپ خود لے کر دیکھیے کہ ایمان لا کر اللہ سے بیچ کا جو معاہدہ آپ کر چکے ہیں، اسے آپ کہاں تک نباہ رہے ہیں۔ (تحریک اور بکارکن، ص ۱۵۵)

یہ بات تو مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور استعانت کے بغیر انسان کوئی کام بھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا۔ جو لوگ بندگی رب کی راہ اختیار کرتے ہیں، ہر آن ان کی آزمائش ہوتی ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں اکثر مقامات پر بیان ہوئی ہے:

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يَتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۖ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝ (العنکبوت ۲۴۹-۲۵۰)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ”ہم ایمان لائے“ اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔

اس لیے ہماری آزمائش ضرور ہوگی کہ ہم اپنے ارادے میں مخلص ہیں یا ریاکار۔ ان آزمائشوں سے گزرنے کے بعد ہی ہم کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد حاصل ہوگی۔ اس لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور استعانت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ”سورة الفاتحة میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے ساتھ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ جو آیا ہے اس میں بھی یہی نکتہ ہے کہ خدا کی بندگی کا ارادہ اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک بندے کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہ ہو۔“

۸- احتساب اور جائزہ

انسان کتنے ہی عظیم منصوبے بنائے اور بڑی محنت اور کوشش سے راہ حق میں جدوجہد کرے، نیز اپنے نفس کی اصلاح کے لیے لگے لگے دو کرے لیکن ترغیبات نفس، شیطانی وسوسے، حب دنیا، معاشرے کا دباؤ، خاندان کی ضروریات اور کتنی ہی اور دلچسپیاں اس کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتی ہیں اور انسان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ سب کچھ چاہنے کے باوجود وہ اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے۔ لیکن اس صورت حال میں قناعت کر لینے سے منزل کی طرف چلنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے بار بار اپنا احتساب کرنا چاہیے۔ اپنے اعمال اور اپنی نیتوں کا جائزہ لینا چاہیے۔ جو غلطی ہوئی ہو، اس پر تادم ہو کر از سر نو جدوجہد کا آغاز کرنا چاہیے۔ یہ محاسبہ نفس کتنا گراں ہی کیوں نہ محسوس ہو، یہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان وقت پر چوکنا ہو کر صحیح راہ کی طرف بار بار اپنا رخ متعین کرتا ہے۔ احادیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ دن میں ستر بار یا اس سے زیادہ استغفار کرتے تھے۔ وہ ہر لمحہ اپنی فروگزاشت میں اپنے رب سے مغفرت کے طالب ہوتے تھے۔ یہ علوت اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ انسان کو آخرت کی جواب دہی کے لیے ہمیشہ تیار رکھتی ہے۔ محاسبوا قبل ان تحاسبوا، ”اپنا احتساب کرو، اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے“ بڑی قیمتی نصیحت اور یاد دہانی ہے۔